ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

خاطر غزنوی: "اردو زبان کا ماخذ ہندکو" اُردو کی ابتدا کے دو اچھوتے نظریے

KHATIR GHAZNAVI AND MUHAMMAD ANSARULLAH'S THEORIES REGARDING THE ORIGIN OF URDU

Suhail Akram
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
Dr. Rabia Sarfraz
Associate professor،Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
Dr. Rubina Yasmeen
Assistant Professor, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology, Peshawar

Abstract:

This article is about Khatir Ghaznavi and Muhammad AnsarUllah' theories regarding the origin of Urdu. Khatir Ghaznavi has given various arguments in the light of which he tries to prove that if different tribes and groups are involved in the formation of the Urdu language, then the most important groups are from the Frontier Province. According to this theory ,Urdu should be related to Hindko. .Khatir Ghaznavi has also presented samples of Urdu and other languages to prove that if language emerges only by the movement of people and the matching of words of one language with the words of another language ,then most people entered India through the Khyber Pass. History also says that all the raids and conquests of India were carried out by way of Peshawar, because the movement of caravans and the mixing of different languages took place in this area.Dr.AnsarUllah is of the opinion that Urdu is a purely Indian language but has influences from other languages. Among these other languages , he is convinced of the importance of only one language and that is Tamil. The arrival of different nations in India and the times of their departure are different.

Key Words: ir Ghaznavi, Urdu language, another language, .Dr.AnsarUllah , convinced, different nations

"اردو زبان کا ماخذ ہندکو" کی اشاعت نے اردو لسانیات میں ایک نئی بحث کو چھیڑا۔ خاطر غزنوی کی اس کتاب کی اشاعت ۲۰۰۳ء میں پہلی مرتبہ ہوئی۔ مذکورہ کتاب میں صوبہ سرحد میں بولی جانے والی زبان "ہندکو" سے اردو زبان بننے کا عندیہ دیا گیا ہے۔ آٹھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں خاطر غزنوی نے مختلف دلائل دیئے ہیں جن کی روشنی میں وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر تو اردو زبان کی شکل وصورت بننے میں مختلف قبائل اور گروہ کارفرماں رہے ہیں، تو سب سے زیادہ قافلے صوبہ سرحد سے ہو کر گزرے ہیں۔ اس نظریے کے تحت اردو کا تعلق ہندکو سے ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> "ان میں سب سے زیادہ اہم پشاور کی ہندکو ہے اور اس کا بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ یہ شہر ہر زمانے میں مرکزی حیثیت لیے رہا اور ہر بیرونی آنے والے کے راستے میں درہ خیبر پار کرنے کے بعد پہلا پڑاؤ بننے کا شرف حاصل کرتا رہا۔"(i)

خاطر غزنوی اپنی کتاب میں بعض جگہوں پر گریرسن کے نظریات سے خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گریرسن نے پشاور اور کوہاٹ وغیرہ کے علاقے بغیر دیکھے اور بغیر یہاں کا سفر کیے اپنے دفتر میں بیٹھ کر ہی نظریات قائم کر دیئے گریرسن بھی ہندوستانی لسانیات پر گہری نظر رکھتے تھے لیکن خاطر غزنوی کو گریرسن کے بعض نظریات سے اختلاف ہے۔ اس لیے وہ گریرسن کے لسانی نظریات کے بارے میں کہتے ہیں:

> "یہاں گریرسن دریائے سندھ کے مغرب میں پڑے ہوئے علاقے سے اپنی تحقیقی لاعلمی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ڈیرہ جات

(ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ غازی خاں) کے محل وقوع سے بے خبری کو اپنے بیان کے کچے پن میں دھکیل دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ان کے اس علاقے میں نہ جانے یا نہ جاسکنے کی بنا پر سنی سنائی باتوں کے اظہار اور غلط بیانی کا سبب بنتا ہے۔"(ii)

خاطر غزنوی کا کہنا ہے کہ میں نے زندگی کے ۳۷ سال ان علاقوں میں بسر کیے ہیں مجھے معلوم ہے کہ یہاں ہندکو کے دو مختلف لہجے ہیں۔ایک لہجہ ہندوؤں کا اور دوسرا مسلمانوں کا۔ان کے مطابق ان دونوں میں فرق ہے اور یہی زبان بعد میں اردو کے روپ میں ڈھلی ہے۔دریائے سندھ اور اس کے آس پاس بولی جانے والی زبانوں کی چند مثالیں بھی خاطر غزنوی نے پیش کی ہیں، وہ مثالیں قارئین کے لیے خاطر غزنوی کے نظریے کو سمجھنے میں مدد دیں گی۔زبان کے متعلق دیئے گئے چند نمونے جس میں انھوں نے مختلف زبانوں میں مروج گنتی اور متکلم کے صیغے دیے ہیں درج ذیل ہیں:

"اردو"	ایک	دو	تین	چار	دس	میں	ہم
"تناولی"	ھک	دو	ترے	چار	داہ	میں/ماں	اسی/اساں
"چھاچھی/اٹکی"	ھک	دو	ترے	چار	داہ	ماں	اسی
"پشاوری"	ھک	دو	ترے	چار	دس	میں	اسی
"پوٹھوہاری"	ھک	وہ	ترے	چار	دس	میں	اسی
"جہلمی/جٹکی"	ھک/ھیک	ڈو	ترا/ترے	چار	ڈاہ	ما/میں	اساں
"سرائیکی/جٹکی ڈیرہ وال/ملتانی"	ھک/ھیک	ڈو	ترا/ترائے	چار	ڈاہ	ما/میں	اساں
"حیدرآبادی"	ھک	با	ترے	چار	ڈو	ماجو	اسی
"کچھی"	ہکڑو	با	ترے	چار	ڈو	ماجو	اسی/پن
سندھی/کراچیہ	کڑو	با	ترو	چار	ڈا/ڈو	ماہ	اساجو
شاہپور	ھک/ھیک	ڈو	ترا/ترے	چار	ڈاہ	ما	ھسی/ای
ڈیرہ غازی خان	ھک	ڈو	ترے	چار	ڈاہ	مئے	اساں(iii)

درج بالا بولیاں اور ان میں مستعمل گنتی اور متکلم کے صیغے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اردو، پشاوری اور پوٹھوہاری میں دو اور دس کے لیے ایک ہی طریقہ کار ہے جبکہ ،چار تقریباً تمام زبانوں میں ایک ہی طرح لکھا اور بولا جاتا ہے۔واحد متکلم میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اردو، تناولی، پشاوری، پوٹھوہاری، جہلمی اور ملتانی میں لکھنے اور بولنے کا طریقہ یکساں ہے۔فاضل مصنف اس طرح کی کئی مثالیں اپنی کتاب میں پیش کر کے اردو کا تعلق ہندکو سے استوار کرتے ہیں۔درج ذیل اقتباس سے بھی خاطر غزنوی کا نظریہ واضح ہوتا ہے اُن کا کہنا ہے:

"یہ حقیقت ہے کہ پنجابی اور ہندکو کا رشتہ بہنوں کا ہے۔ماں بیٹی کا نہیں یہی سندھ کو یعنی ہندکو اپنے وسیع تر دائرے میں اس سارے وسیع علاقے کی اس رائج زبانوں کا حصہ ہے جس کی بنیاد پر پنجابی زبان بھی پھلی پھولی، اردو بھی اور ہندکو بھی لیکن پنجابی اور ہندکو بلاشبہ اردو سے قدیم ترین ہیں اور اس سارے علاقے کی اصل زبانیں ہیں جو دریائے سندھ کے دونوں کناروں اور اس سے مشرق کی جانب انبالہ تک رائج ہیں اور جن کے اثرات شمال مغرب کے لوگ برصغیر سے لے کر گئے بلکہ جنوبی ہند یادکن تک پہنچے اور جن کی گونج آج بھی دکنی زبان وادب کی تاریخ میں محققوں کو سوچنے پر مجبور کرتی رہی ہے کہ ان زبانوں میں حیرت انگریز مماثلت کا سبب کیا ہے۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دریائے سندھ کے دونوں کناروں کی زبان دریائے سندھ کی وادی کی تہذیب اور تمدن کا حصہ اور حقیقی وارث ہے اور آریاؤں کی آمد سے پہلے سے برقرار ہے اور سنسکرت کی

طرح اس پر مردہ زبان کا کوئی دور نہیں آیا۔ یہ قطعی طور پر ہند آریائی زبان نہیں، یہ وادیٔ سندھ کی اولین زبان ہے اور خالصتاً سندھ کو یا ہند کو ہے ہندی بھی اس کی بیٹی اور اردو بھی"(iv)

اس طویل بحث یا اقتباس کا مقصد صرف اور صرف خاطر غزنوی کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنا تھا۔ ان کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کو وہ ہند کو کی بیٹی کہتے ہیں۔ بیٹی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہند کو سے اردو بنی ہے خاطر غزنوی کی اسی لسانی خدمت کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر رقمطراز ہیں:

"خاطر غزنوی تھے تو شاعر مگر انہوں نے لسانی تحقیق کا حق ادا کر دیا، انہوں نے منڈا، دراوڑی، براہوی، سندھی، ہند کو اور اردو زبان کے بعض الفاظ کی مماثلت سے ان زبانوں کے اشتراک کے تصور کو بھی تقویت دیتے ہوئے، متعدد لسانی شواہد کی بنا پر اپنا نقطۂ نظر ثابت کرنے کی کوشش کی۔"(v)

جیسے دیگر ماہرین لسانیات کسی علاقے کی بولی کے چند یا اکثر الفاظ کو اردو میں دیکھ کر یہ رائے دیتے ہیں کہ اردو کا تعلق فلاں علاقے اور فلاں زبان سے ہے۔ خاطر غزنوی نے بھی بعینہ اردو اور دیگر زبانوں کے نمونے پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر تو لوگوں کی نقل و حرکت اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان کے الفاظ سے مماثل ہونے سے ہی کوئی زبان ظہور پذیر ہوتی ہے تو سب سے زیادہ لوگ درہ خیبر کے راستے سے ہندوستان کی طرف وارد ہوتے تھے۔ تاریخ بھی یہی کہتی ہے کہ تمام اہل سیف پشاور کے راستے ہندوستان پر قابض ہوتے رہے ہیں، اِس نظریے کی رو سے تو خاطر غزنوی حق بہ جانب ہیں، کیونکہ قافلوں کی نقل و حرکت اور مختلف زبانوں کا ملاپ اِس علاقے میں ہوا۔ مذکورہ بالا اقتباس میں سلیم اختر بھی اُن کی اِس کاوش کو سراہتے ہیں۔ ہمیں اِن نظریات کو دیکھ کر اردو کی وسعت کا اندازہ لگانا چاہیے کہ تقریباً سارے ہندوستان میں اس زبان کے اثرات ملتے ہیں۔ لسانیاتی روایت میں خاطر غزنوی کی کاوش بھی ایک مقام رکھتی ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

محمد انصار اللہ: "اردو پر تمل کے اثرات"

مذکورہ کتاب ۱۹۸۹ء میں لیتھو کلر پرنٹرس، علی گڑھ سے شائع ہوئی۔ کتاب کا انتساب ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تمل زبان کے استاد، ڈاکٹر ڈی، سرینواس وردن کے نام کیا۔ انصار اللہ کا کہنا ہے کہ میں اکثر سرینواس کی صحبت میں بیٹھتا تھا، تمل اور اردو کے باہمی روابط کا علم ان ہی کی رفاقت کا ثمر ہے۔ انتساب کے بعد والے صفحے پر ڈاکٹر انصار اللہ نے بڑی عجیب بات لکھی ہے جس کو پڑھ کر ہمیں بھی حیرانی ہوتی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ کتاب اتر پردیش اردو اکاڈمی کی اعانت سے جاری کی گئی ہے لیکن اس کتاب میں جو کچھ ہے اس سے بے شک اتر پردیش اکاڈمی متفق نہیں ہے۔ یہ بات لکھنے کی توجیہ میرے نزدیک تو یہی ہے کہ جس نقطۂ نظر سے انھوں نے اردو کو تمل سے ملانے کی کوشش کی ہے اہل اتر پردیش کو اس بات سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے نظریے کے علاوہ تو اس کتاب میں اور کوئی ایسی بات نہیں جس سے اتر پردیش اکاڈمی والے خائف ہوں گے۔ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔

(1) اردو پر تمل کے اثرات

(2) بدھ گان ودوہا

(3) کبیر مصنف "الف نامہ"

آخر پر کبیر کے "الف نامہ" کے کچھ کچھ حصے بھی نقل کیے گئے ہیں۔ دیباچے سے پہلے حیدر علی آتش کا شعر ہے۔ شعر کے بعد چھ صفحات کا دیباچہ ہے۔ دیباچے کو پڑھنے کے بعد قاری، ڈاکٹر انصار اللہ کے نظریے کی حقیقت کو پالیتا ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ دیباچے میں فرماتے ہیں کہ یہ خیال عام ہے کہ اردو زبان اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس سے سنسکرت کا تعلق ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اردو ہندوستانی یعنی اسی علاقے کی زبان ہے جبکہ؛ سنسکرت کا ہندوستانی علاقے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ پردیس کی زبان ہے جو قافلوں کی آمد سے ہندوستان میں وارد ہوئی۔ ڈاکٹر انصار اللہ کی کتاب "اردو پر تمل کے اثرات" کی ورق گردانی سے پہلے تک یہی عقیدہ راسخ تھا کہ سنسکرت مقامی زبان ہے اور اردو کو کسی نہ کسی واسطے سے سنسکرت سے علاقہ ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ کے مطابق سنسکرت اس علاقے میں آریوں کی آمد سے آئی ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے آریائی خاندان خانہ بدوش تھے اور دربدر پھرتے تھے ان کے پاس نہ کوئی رسم الخط تھا اور نہ ہی ادب۔ ڈاکٹر انصار اللہ نے بحوالہ یہ بات رقم کی ہے کہ اگر آریاؤں کے پاس کوئی ادب نام کی چیز تھی بھی تو وہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

اسے ہندوستان میں نہیں لے کر آئے۔ آریاؤں کے متعلق ڈاکٹر انصار اللہ کی درج ذیل رائے کا ذکر اس موقع پر از حد ضروری ہے کہتے ہیں:

> "ان خانہ بدوش آریوں کے پاس اپنا کوئی رسم خط بھی معلوم نہیں ہوتا۔ وہ جس ملک میں پہنچتے تھے یہ گمان غالب وہاں کے رسم خط سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ آریوں کا وہ قدیم خط براہمی کہا جاتا ہے۔ اور اس خط کے بارے میں اب یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ بعض علاقوں میں اسے داہنی طرف سے شروع کیا جاتا تھا بعد میں اس نے موجودہ بر عکس صورت اختیار کرلی یہ تبدیلی بجائے خود مذکورہ خیال کی موید ہے۔"(vi)

درج بالا بیان میں ذو معنویت پائی جاتی ہے ایک تو وہ خود ہی اقرار کرتے ہیں کہ آریاؤں کے پاس کوئی رسم خط نہیں تھا، اور پھر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ "براہمی" رسم الخط آریاؤں کا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ اس خط کے ذریعے کس طرف سے کس طرف لکھتے تھے اور موجودہ دور میں کیسے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر انصار اللہ کی رائے، کہ آریائی خاندان سنسکرت کو ہندوستان میں لے کر آئے لسانیات کے طلبا کو تحقیق پر مجبور کرتی ہے۔ اِس ضمن میں ہمیں آریائی خاندانوں کی نقل و حرکت اور اصل وطن کے بارے میں جانکاری حاصل کرنی ہوگی۔ آریائی خاندان، تہذیب، رہن سہن اور اصل وطن کے متعلق سبط حسن رقمطراز ہیں:

> "آریہ کسی نسل یا قوم کا نام نہیں ہے بلکہ آریہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا آریائی وطن خوارزم اور بخارا کا خطہ تھا اور جنھوں نے دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ وسطی ایشیا کی چراگاہوں سے نکل کر جنوب مغربی ایشیا کا رخ کیا تھا۔ ان کو اپنی بھرتری کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے۔ سنسکرت میں آریہ کے معنی اونچی ذات، شریف اور آزاد کے ہیں۔ وہ گائے، بیل، بھیڑ، بکریاں پالتے تھے اور ان کی زندگی کا انحصار انہیں مویشیوں پر تھا۔ چناچہ ان کی زبان، سنسکرت میں "گاوستی" کی اصطلاح رائج تھی۔ گاوستی کے لفظی معنی مویشیوں کے لیے جدوجہد کے ہیں۔"(vii)

درج بالا اقتباس میں آریاؤں کے متعلق مفید معلومات سبط حسن نے یکجا کردی، جس میں آریاوؤں کی زبان، تہذیب اور علاقے وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ "اردو پر تمل کے اثرات" میں لکھا ہے کہ یہ لوگ جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو یہاں کے مقامی لوگ سہل پسند اور آرام کے متوالے تھے، اس لیے آریاؤں کی وحشیانہ زندگی کو دیکھ کر وہ مرعوب ہوگئے۔ مقامی لوگ آریہ سے مرعوب تو ہوئے، لیکن ڈاکٹر انصار اللہ کا کہنا ہے کہ انھوں نے بہت جلد آریاؤں کی زبان سیکھ لی۔ مقامی لوگوں نے سنسکرت نہ صرف بول چال کی حد تک سیکھی تھی بلکہ وہ اس میں کتب بھی لکھنے لگے تھے جیسے کہ ڈاکٹر انصار اللہ نے ہندوستانی شاعر، بالمیکی/بالیکی کا ذکر کیا ہے جس نے سنسکرت میں "راماین" لکھی تھی۔ رامائن کے بارے میں یہ بھی خیال ہے کہ یہ پہلے کسی عوامی بولی میں لکھی گئی بعد میں اس کو سنسکرت میں ڈھالا گیا۔ ڈاکٹر انصار اللہ "راماین" اور "مہابھارت" کو پہلے سنسکرت میں لکھے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ کسی عوامی بولی میں پہلے لکھی گئیں اور بعد میں یہ سنسکرت میں لکھی گئیں۔ "رامائن" اور "مہابھارت" کے متعلق ان کا کہنا ہے:

> "رامائن اور مہابھارت کی داستانوں سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو بہت دلچسپی تھی۔ تمل زبان میں یہ داستانیں بہت پہلے نظم کی جاچکی تھیں بعد میں دوسری دراوڑی زبانوں میں بھی ان کو منتقل کرلیا گیا۔"(viii)

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے بہت عمدگی کے ساتھ سب سے ہٹ کر ایک نظریہ دیا ہے۔ اس کتاب میں ایک بات جو ہر قاری کو اپیل کرتی ہے۔ اس میں انھوں نے ایک اشارہ دیا ہے کہ اردو کسی زبان سے نہیں نکلی بلکہ اس پر دوسری زبانوں کے اثرات کو مانا جاسکتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کسی حد تک تسلیم کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ اُن کا یہ نظریہ بہت حد تک حقیقت کے مطابق نظر آتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی زبان کسی دوسری زبان سے نہیں بنتی اُس کا اثر ضرور قبول کرتی ہے، مثلاً پنجابی، سندھی کا اثر قبول کرسکتی ہے، اُس سے بن کیسے سکتی ہے۔ ویسے بھی جب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ایک زبان دوسری زبان سے بنی اِس کا مطلب ہے جب چاہیں اُس زبان کو اِس سے الگ کردیں یہ زبان خود بخود غیر مستحکم ہو کر زمین بوس ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو ہندی والے کب کے اردو میں سے ہندی نکال لیتے، جیسے کہ اُن کا نظریہ ہے کہ اردو اور ہندی ایک ہی ہے۔ آسانی کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبانیں دوسری زبانوں سے متاثر ہوسکتی ہیں کلی طور پر دوسری زبانوں پر انحصار نہیں کرسکتیں، ورنہ جب چاہے دوسری زبان اپنا سہارہ الگ کرے اور یہ زبان ختم ہو جائے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں سے دیگر زبانوں کے الفاظ نکالے جاسکتے ہیں، الفاظ نکالنے سے اِس زبان کے سرمایۂ الفاظ میں کمی آئے گی اِس کی بنیاد کو کچھ نہیں ہوگا۔ بعض لسانیات نگاروں نے اردو میں کسی دوسری زبان کے اثرات کو دیکھ کر بھرپور رائے کا اظہار کردیا کہ یہ فلاں زبان سے ماخوذ ہے جبکہ، اس کے بر عکس اردو پر دیگر زبانوں کے اثرات کے متعلق ڈاکٹر

انصار اللہ کا کہنا ہے:

"اس میں عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت، پرتگالی، فرانسیسی اور انگریزی وغیرہ متعدد غیر ملکی زبانوں کے تھوڑے بہت اثرات موجود ہیں لیکن ان اثرات کے باوجود کسی بھی شخص نے یہ دعوا نہیں کیا کہ یہ زبان انگریزی یا پرتگالی یا ترکی وغیرہ زبانوں سے نکلی ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ باہر سے آئی ہوئی کسی دوسری زبان سے بھی اس نے وجود نہیں پایا ہے اس کی اصل کی جستجو ہمیں ہندوستان ہی میں کرنی چاہیئے۔ یہ بات علمی اور لسانی اعتبار سے ہی لایق توجہ نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں بسنے والوں کے عقیدے میں بھی سینکڑوں برس سے شامل چلی آتی ہے۔"(ix)

اس ایک پیراگراف نے ڈاکٹر انصار اللہ کی سوچ کا محور اور فکری رفعت کا پتا دیا ہے۔ لسانیات نگاروں کی اکثریت آج تک اس نقطے کو نہیں سمجھ سکی، جو فاضل مصنف نے بڑی آسانی سے سمجھا دیا ہے۔ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے لسانیاتی حقیقت کی طرف توجہ کریں گے تو بہت سے مسائل سے نکل کر صرف یہ سوچیں گے کہ اردو کیسے پروان چڑھی ہے۔ اردو میں دراصل وسعت اس قدر ہے کہ ہر زبان کے اثرات والفاظ کو با آسانی اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ اس کتاب "اردو پر تمل کے اثرات" میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اردو کی اصل ہندوستان میں ہی تلاش کریں یہ بھی ایک قابل غور جملہ ہے جس کی طرف اشارہ محی الدین قادری زور نے بھی کیا ہے، کہتے ہیں:

"اردو اس زبان پر مبنی ہے جو پنجاب میں بارہویں صدی میں بولی جاتی تھی۔"(x)

زور اس اقتباس میں پنجاب (یعنی ہندوستان) کے علاقے کا ذکر تو کرتے ہیں، لیکن ساتھ وہ اس کو کسی زبان پر مبنی ہونے کا بھاشن بھی دے رہے ہیں جبکہ؛ ڈاکٹر انصار اللہ صرف اثرات تک کے قائل ہیں۔ فاضل مصنف نے اپنی رائے اردو کے بارے میں بڑے نپے تلے الفاظ میں اس طرح پیش کی ہے۔ بقول ڈاکٹر انصار اللہ:

"اردو اپنی اصل اور مزاج کے اعتبار سے ایک خالص ہندوستانی زبان ہے۔ اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اس ملک میں باہر سے آنے والی مختلف انسانی جماعتوں کی زبانوں اور پھر ان کے ادبی سرمائے سے بھی حسب موقع استفادہ ضرور کیا ہے۔"(xi)

فاضل مصنف اس بات کے حق میں ہے کہ اردو خالص ہندوستانی زبان ہے، لیکن دیگر زبانوں کے اثرات اس پر ضرور ہیں۔ اب ان دیگر زبانوں میں وہ صرف ایک زبان کی اہمیت کے قائل ہیں، اور وہ ہے "تمل"۔ ہندوستان میں مختلف اقوام کا ورود وانخلا زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے۔ ان میں سے ایک دراوڑ قوم بھی تھی، جو ڈاکٹر انصار اللہ کے مطابق انتہائی متمدن اور مہذب تھی۔ کسی بھی قوم کی تہذیب و ثقافت ان کے ادب سے لگائی جاسکتی ہے۔ دراوڑوں کی یادگار آج بھی ہندوستان میں ان کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ متذکرہ کتاب میں اسی طرف اشارہ ہے، چونکہ وہ مہذب قوم تھی اس لیے ان کے پاس ادب کا ذخیرہ تھا۔ اس ادب سے ہندوستانی قوم نے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس استفادے کا نتیجہ ہے کہ اردو پر اس زبان کے اثرات ضرور پڑے ہوں گے۔ ہندوستان میں جتنی بھی اقوام آئیں ان میں بقول ڈاکٹر انصار اللہ:

"سب سے زیادہ مہذب اور متمدن دراوڑ قومیں تھیں۔ دروڑا قوام نے اپنے دور عروج کے ایسے پائیدار تہذیبی نقش چھوڑے ہیں جن کو دیکھ کر آج بھی حیرت ہوتی ہے...... دراوڑ قوم کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی شہرت اور معاملت کی انفرادیت کو جس میں زبان بھی شامل ہے بحد امکان باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے اس مزاج کا فائدہ یہ ہے کہ دراوڑ زبانوں کے جو قدیم ترین نمونے دستیاب ہیں ان کی لفظیات اور مفاہیم کو آج بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔"(xii)

قواعد کے متعلق آج تک یہی رائے تھی کہ پانی پہلا قواعد نویس ہے جس نے سنسکرت قواعد پر کام کیا ہے اور سنسکرت ہی قدیم ترین زبان سمجھی جاتی تھی۔ ڈاکٹر انصار اللہ نے واضح کیا ہے کہ تمل دنیا کی قدیم زبان ہے بلکہ وہ تمل کو دنیا کی پہلی زبان تک ماننے کو تیار ہیں۔ تمل پر قواعد کی پہلی کتاب "تل کا پیم" ہے جو مصنف تل کا پیر کے نام سے منسوب ہے۔ ایک یہ بھی رائے ہے کہ تل کا پیر نے اس کتاب میں جو صوتی نظام تمل زبان کے متعلق دیا تھا وہ آج تک رائج ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تمل کے رسم خط میں موجود تیس حروف تب سے اب تک ویسے کے ویسے ہی چلے آتے ہیں۔ قواعد کی یہ کتاب اس قدر جامد اور منضبط ہے کہ اس وقت کے لسانیاتی اصول آج تک بدلے ہی نہیں جاسکے نہ صرف بدلے بلکہ انھیں سے آج تک موجودہ اہل تمل استفادہ کررہے ہیں۔ تمل قواعد کی کتاب کے بارے میں ڈاکٹر انصار اللہ رقمطراز ہیں:

"تل کا پیم میں شعر گوئی کے ضابطوں اور بعض شعری اصناف کا بھی ذکر آیا ہے۔ ان مباحث اور شعری نمونوں کی روشنی میں یہ بات بلاخوف

تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس قدیم زمانے میں تمل بول چال کی منزل سے آگے نکل کر ایک منضبط اور عملی زبان کا درجہ حاصل کر رہی تھی اور اس کی نہ صرف آوازیں متعین ہو چکی تھیں اور ان کو تحریر میں لانے کا چلن ہو چکا تھا بلکہ شعر و ادب کے لایق استناد حد تک معیاری نمونے بھی وجود میں آچکے تھے۔"(xiii)

یہ بات تو ماننے کے قابل ہے کہ کوئی بھی زبان قواعد کے بغیر چل نہیں سکتی۔ قواعد زبان کی روح ہیں۔ لیکن اُن کے اس بیان میں ایک چیز تذبذب میں ڈالتی ہے کہ وہ قواعد برابر چلے آتے ہیں کسی قسم کی کوئی معمولی سی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قواعد زبان کے سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ میں تبدیلی تو آتی ہی ہے یہ تبدیلی قواعد کو بھی ضرور اکساتی ہے کہ اب ان میں بھی کچھ نہ کچھ نکھار یا انقلاب ضرور آنا چاہیے۔ بیسیوں ایسی زبانوں کے نام گنوائے جاسکتے ہیں جن کے قواعد میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ردوبدل ضرور ہوا ہے، چونکہ ڈاکٹر انصار اللہ کی رائے ہے، تو اس پر کوئی تمل زبان کا ماہر ہی بات کر سکتا ہے کہ آیا اس زبان میں قواعد جوں کہ توں چلے آرہے ہیں۔ ہمارا تو اصل کام تھا اردو پر تمل نے کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ تمل زبان میں جہاں شاعری کو جگہ مل گئی تھی، اور اکثر زبانوں میں شاعری پہلے ہی جگہ بناتی ہے، وہاں نثر کا ہونا بھی ناگزیر تھا۔ تمل میں نثر کے متعلق فاضل مصنف کی رائے ہے:

"دوسری صدی عیسوی کے خاتمے سے پہلے ہی تمل زبان میں نثر کا بھی نام لیا جانے لگا تھا۔ "مدلتن سات نار" نامی ایک شاعر نے اپنے ایک قصیدے میں جو نلنکل لی نامی ایک راجا کی مدح میں ہے اور پر نانورو نامی مجموعے میں محفوظ ہے۔ یہ کہا ہے کہ اے راجا آپ کی ستایش نظم و نثر دونوں میں کی جاتی ہے۔"(xiv)

درج بالا اقتباس میں تمل نثر کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن اس کا کوئی ثبوت شامل کتاب نہیں کیا گیا۔ نثر کے متعلق یہ ضرور کہا ہے کہ نثری جملے طویل ہوتے تھے، اب اگر نمونے کے طور پر کوئی جملہ سامنے ہوتا تو تمل نثر کے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ وضاحت ہو جاتی۔ اکثر ماہرینِ لسانیات کے ہاں اِس چیز میں سقم پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی تحقیقی کاوش میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تو نظر آتے ہیں، نیز اپنی لسانیاتی ژرف نگاہی اور اپنے نظریے کی حفاظت میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوتے ہیں لیکن اُس نظریے کی اساس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے، جو کہ خود اُن کی اپنی رائے کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہے۔ بہر حال ڈاکٹر انصار اللہ یہاں تک پہنچنے کے بعد مقصد کی طرف آتے ہیں اور ان الفاظ کا تذکرہ کرتے ہیں جو اردو میں دراوڑ زبان کے توسط سے آئے۔ فاضل مصنف نے ڈاکٹر رالف ابہرن فیلس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہائے مخلوط (ھ) جو سنسکرت اور اس کی خاندانی زبانوں میں پائی جاتی ہے دراوڑی ہے۔ یعنی ہائے مخلوط (ھ) اصلاً دراوڑی ہے، اور پھر آگے جا کر اپنے دوست ڈاکٹر وردن (جنھوں نے انھیں تمل کے بارے میں آگاہ کیا) کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ ہائے مخلوط (ھ) کا دراوڑی زبان سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ ہائیہ آوازوں کی نسبت لکھتے ہیں:

"بھ، پھ، تھ وغیرہ تمام ہائیہ آوازیں خود دراوڑ زبانوں میں بھی غیر موجود ہیں۔"(xv)

فاضل مصنف کے بیانات میں تضاد کی یہ صورت بارہا دیکھنے میں آئی ہے۔ قصہ کوتاہ ڈاکٹر انصار اللہ کا خیال ہے کہ سنسکرت اور فارسی ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں۔ فارسی میں ہائیہ آوازوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس بنیاد پر وہ سنسکرت کو بھی ہائے مخلوط (ھ) سے الگ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہائے مخلوط سنسکرت سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ہکار آوازوں کو وہ شمالی ہندوستان کی کسی قدیم زبان سے ملاتے ہیں۔ فاضل مصنف اپنی ساری تحقیق کو یہاں پہنچ کر خود ہی ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ خود ہی کہا کہ ہکار آوازیں دراوڑی ہیں بعد میں اپنے دوست کے حوالے سے کہہ دیا کہ دراوڑی سے اِن کا کوئی تعلق نہیں، خود ہی کہہ دیا کہ سنسکرت سے بھی ہکار آوازوں کا ماخوذ ہونا درست نہیں، بلکہ یہ شمالی ہندوستان کی قدیم زبان سے اخذ کی گئی ہیں۔ مان لیا کہ اُن کا یہ بیان ہی درست ہے کہ یہ شمالی ہندوستان کی زبان سے ماخوذ ہیں۔ لیکن فاضل مصنف اِس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ وہ زبان کونسی ہے، کہاں بولی جاتی ہے، کتنے لوگ بولتے ہیں، کوئی نمونہ کلام ہی سامنے آجائے، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ وہ اس بارے میں کچھ نہیں واضح کرتے۔ لیکن اُنھیں یہ پتا ہے کہ نو وارد دروڑوں نے اس کے اثرات قبول کیے اور پھر ان اثرات کو آگے چل کے اردو نے اخذ کیا۔ بہر حال ان ہائیہ آوازوں کے متعلق فاضل مصنف رقم طراز ہیں:

"ایسی آوازیں جو سنسکرت اور اس کی جانشین جدید ہندی میں بھی غیر موجود ہیں لیکن زبان اردو میں مروج ہیں، درج ذیل

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

ہیں؛رھ،لھ،مھ،نھ،دھ،پھ،ان ہائیہ آوازوں کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو نے ہند یورپی سلسلہ کی کسی ایسی نامعلوم لیکن قدیم زبان سے بھی استفادہ کیا ہے۔(یا شاید اس کی جانشین ہو) جس میں محض ہائیہ آوازوں کی حد تک ہندوستانی سنسکرت نے بھی کسی قدر خوشہ چینی کی ہے۔"(xvi)

ڈاکٹر انصار اللہ کا اصل نظریہ، یہ ہے کہ سنسکرت اور تمل میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ یہ دونوں الگ الگ زبانیں ہیں۔اس لیے وہ ہائے مخلوط کو بھی سنسکرت کی بجائے کسی قدیم شمالی ہند کی زبان سے ماخوذ بتاتے ہیں۔یہ ایک گھمبیر قسم کی بحث ہے، کہ سنسکرت زیادہ قدیم ہے یا تمل بعض انگریز لسانیات نگاروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جیسے کہ، کیری ولکنس اور کول بروک، تمل زبانوں کا ماخذ سنسکرت کو سمجھتے ہیں۔ان کے برعکس رائے ریز مس ریسک کی ہے وہ تمل زبانوں کو تورانی بتاتے ہیں اور یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ سنسکرت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔تمل زبان کا ماہر بشپ کالڈویل اپنی کتاب "دراوڑی خاندان السنہ یا جنوبی ہند کی زبانوں کی تقابلی گرامر "۱۸۵۶ء میں ہندوستان کی دیگر زبانوں سے تقابل کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ، یہ تمام زبانیں ایک دوسرے سے تعلق رکھتی اور ہم عصر ہیں۔بشپ کالڈویل نے سینتیس۳۷ سال تمل زبانوں کی تحقیقات پر صرف کیے ہیں۔ خلیل احمد صدیقی نے دراوڑی زبانوں کے متعلق لکھا ہے:

"دراوڑی زبانوں میں تامل، تیلگو، کنڑی، ملیالم، تولو اور کورگ ادبی زبانیں بھی ہیں۔ ٹوڈا، کوٹا، گونڈ، کھونڈ، کو، اراؤں اور راج محل صرف بول چال تک محدود ہیں۔تامل کی ادبی قدامت مسلمہ ہے۔اس نے سنسکرت کے بہت کم اثرات قبول کیے ہیں۔اسی لیے قدیم دراوڑی لسانی ہئیتیں اس میں نظر آتی ہیں اور اسے دراوڑی خاندان کی نمائندہ زبان قرار دیا جاسکتا ہے۔ پانڈیہ، چولا، اور چیرا قومیں تامل بولتے ہیں۔ان کا خطہ "تامل ناڈو" کی بھارتی ریاست ہے۔"(xvii)

خلیل صدیقی کے اس اقتباس سے ہمیں تمل زبان کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم ضرور ہوتا ہے، جس سے ہمیں ڈاکٹر انصار اللہ کے بیان کی تائید کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ڈاکٹر انصار اللہ دراوڑوں کی صرف چار زبانوں کا ذکر کرتے ہیں، اور انھیں چار زبانوں کو اہم سمجھتے ہیں۔اُنھوں نے تمل، کنڑ، تیلگو اور ملیالم کو دراوڑوں کی نمائندہ زبانیں قرار دیا ہے۔فاضل مصنف کے خیال میں، ٹ، ڈ، ڑیں، ٹھ اور ڈھ اصلاً دراوڑی یعنی تمل کے حروف ہیں ان حروف کو سنسکرت نے تمل سے حاصل لیا ہے۔ موصوف نے ڈھ، ٹھ اور کچھ حروف کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے، اُن کو تمل کے حروف بتایا ہے۔ان حروف کے متعلق خلیل صدیقی کا کہنا ہے:

"دراوڑی زبانوں میں ہائیہ آوازوں کا فقدان تھا لیکن سنسکرت کے زیر اثر تامل کے سوا باقی سب زبانوں میں یہ آوازیں دخیل ہو گئی ہیں۔"(xviii)

پچھلے صفحے پر بھی ہکار آوازوں کی بابت ذکر گزر چکا ہے اُن کے متعلق مزید کچھ لکھنا تو ضیع اوقات ہو گا۔ صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ خلیل صدیقی بھی ہائیہ آوازوں کو تمل سے الگ بتاتے ہیں جبکہ؛انصار اللہ انھیں تمل کی آوازیں قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تمل سے سنسکرت میں آئیں۔ بہر حال خلیل صدیقی کے مطابق دراوڑوں کی دیگر زبانیں کنڑ، تیلگو اور ملیالم ہے۔ان تینوں میں ہائیہ آوازیں اور ان کے حروف شکلی صورت میں موجود ہیں۔ڈاکٹر انصار اللہ بھی اسی بیان کے حق میں ہیں کہ مذکورہ تینوں زبانیں ہائیہ آوازوں کے حروف واشکال سے مزین ہیں جبکہ تمل میں یہ حروف مع اشکال غیر موجود ہیں۔ایک بات غور طلب ہے کہ سنسکرت میں تینوں حروف ٹ، ڈ، ڑ اور ہائے مخلوط ٹھ، اور ڈھ کی املائی صورت آواز اور شکل موجود ہے۔ڈاکٹر انصار کے اس بیان کی سمجھ نہیں آتی کہ وہ ٹ، ڈ، ڑ، ڈھ اور ٹھ کی "آواز" کو دراوڑی اصل مانتے ہیں جبکہ ؛اِن کی شکل کے منکر ہیں۔سوچنے کی بات ہے کہ اگر "آواز" اصلاً دراوڑی ہے تو اِن کی شکل دراوڑی میں کیوں نہیں؟ قاری سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جب فاضل مصنف یہ کہتے ہیں کہ تمل میں نظم و نثر کے نمونے ملتے ہیں تو پھر ان الفاظ کی جگہ کیوں نہ بن پائی یا ان کی املا کیوں کر غائب ہے۔ صرف آواز کا پایا جانا چہ معنی دارد؟ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۲ پر ڈاکٹر انصار اللہ لکھتے صرف یہ "آوازیں" دراوڑی ہیں اور ساتھ ہی صفحہ ۲۳ پر کہتے ہیں کہ ان کا شکلی وجود بھی تھا جبکہ ؛خود ہی یہ بھی کہہ آئے ہیں کہ اِن کا وجود تمل میں نہیں ہے بلکہ اِن کی صرف آواز تمل میں موجود ہے، اُن کی کتاب میں اس طرح کے ابہام بار ہا دیکھنے کو ملتے ہیں پچھلی گفتگو کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ اقتباس دیکھیں:

"زبان ہندوی (قدیم اردو) میں 'ڑ' کی آواز کی موجودگی بھی شروع سے معلوم ہوتی ہے 'ٹ' کی طرح یہ آواز بھی چاروں دراوڑ زبانوں میں موجود ہے۔ تمل میں اس کو اس طرح لکھتے ہیں ஈП اردو میں 'ڑ' کے ساتھ ساتھ اس کی ایک ہائیہ آواز ڑھ بھی موجود ہے اور سنسکرت میں یہ دونوں ہی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

غیر موجود ہیں۔"(xix)

دو الفاظ مزید جن کے بارے میں فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ یہ بھی تمل میں غیر موجود ہیں جبکہ، سنسکرت میں پائے جاتے ہیں ان میں ایک تو "ش" ہے جو کہ تمل میں موجود نہیں جہاں جہاں تمل میں "ش" کی ضرورت پیش آتی ہے وہ اس کے متبادل کے طور پر "س" لکھتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر انصار اللہ کا ماننا ہے کہ تمل میں "گھ" جو کہ "گ" اور ہائے مخلوط (ھ) کے ملنے سے بنتا ہے یہ بھی غیر موجود ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام ہائیہ الفاظ تمل میں نہیں پائے جاتے لیکن جب ہم ان کا درج بالا اقتباس پڑھتے ہیں تو حیرت میں چلے جاتے ہیں کہ ایک جگہ وہ ان کے حق میں ہیں اور آگے چل کر مخالفت بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ "گ" کے بارے میں تو بیشتر ماہرینِ لسانیات کا اتفاق ہے کہ یہ حرف ترکی سے اردو میں آیا ہے۔

ڈاکٹر انصار اللہ نے حرف و املا کے علاوہ تمل کے اثرات اردو پر ثابت کرنے کے لیے تاریخی حوالے بھی دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عرب جب ہندوستان میں وارد ہونا شروع ہوئے تو ملیبار (مالا بار) مغربی ساحل اور معبر ان کے نزدیک مشرقی ساحل تھا۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ یہی، مشرقی ساحل یعنی "معبر" تمل زبان کا اصل گھر ہے۔ عرب تاجر جب اس علاقے میں آتے تو طویل سفر کر کے یہاں پہنچتے تھے اس لیے یہاں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ تمل کے علاقے میں رہنے سے ان کی آشنائی تمل زبان سے بھی ہوئی جس کے باعث تمل کے اثرات کو بھی اردو نے ویسے ہی اپنے اندر سمو یا جیسے کہ عربی اثرات در آئے تھے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ امیر خسرو نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" میں جہاں ہندوستان کی دیگر زبانوں کا تذکرہ کیا ہے وہیں "معبری" جو کہ معبر مشرقی ساحل کی زبان تھی، اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہی "معبری" ڈاکٹر انصار اللہ کے نزدیک اصل میں "تمل" ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ ایک عرب مصنف زید الدین ابو یحیٰ جو کہ شیخ علی ابن احمد المعبری کے بیٹے ہیں اور دس عربی کتابوں کے مصنف ہیں وہ معبر میں ہی رہتے تھے اور علم و ادب سے گہرا تعلق تھا تو انہوں نے تمل میں شعر و شاعری بھی شروع کر دی تھی۔ یعنی کے موصوف معبری/ تمل کے پہلے محرر کہلائے جا سکتے ہیں۔

شعری اوزان اور بحور کے بارے میں ڈاکٹر انصار اللہ کا کہنا ہے کہ یہ چیزیں دیگر زبانوں میں نہیں پائی جاتیں اہل اردو نے یہ سبق تمل سے حاصل کیا ہے اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> "زبان ہندوی (قدیم اردو) میں مسلم صوفی شاعروں نے اپنی تمام طویل عشقیہ منظوم داستانوں کو بندوں میں تقسیم کرنے کا التزام کیا ہے۔ اس نوع کی تقسیم کا چلن نہ تو فارسی کی ابتدائی شاعری میں تھا اور نہ ہی اس کا رواج سنسکرت میں بتایا گیا۔ ہندوی کے صوفی شاعروں نے اپنی نظموں میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر بند میں شعروں کی تعداد برابر رہے۔ اصلاً یہ بات تمل کی مذکورہ منظومات میں بھی ہے۔"(xx)

ڈاکٹر انصار اللہ کے نزدیک صوفی شعرا نے نظم کی ہئیت کے لیے تمل زبان کے ہئیتی ڈھانچے کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے خیالات منظوم کئے۔ صوفیا کو اپنے خیالات کو نظمانے کے لیے کسی ہئیت کی ضرورت تھی چونکہ فاضل مصنف کے نزدیک فارسی اور سنسکرت کے پاس، ہئیتیں نہیں تھیں، جن میں صوفیا اپنا کلام ڈھال سکتے، اِس لیے وہ تمل کے رہینِ منت ہوئے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ تمل میں ایک ہی نظم ایک سے زائد اوزان میں کہی جا سکتی ہے اور یہ طریقہ کار پانچویں صدی عیسوی کے بعد عام ہو گیا تھا۔ بحر و اوازن کے علاوہ ان کا کہنا ہے کہ بارہ ماسہ کی طرز شاعری بھی تمل کی مرہونِ منت اردو میں آئی ہے۔ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> "برسات کے موسم میں فراق کی تکلیفوں کی شدت زیادہ ہو جاتی ہے اس لیے تمل زبان کے شاعروں نے اس کے بیان پر زیادہ زور دیا ہے۔ تمل شاعری میں "کالم" (کال موسم) نامی ایک صنف کو رواج ہوا۔"(xxi)

اس کتاب کے کل ۱۱۵ صفحات ہیں جن میں سے صفحہ نمبر ۵۶ تک ایک طویل مضمون "اردو پر تمل کے اثرات" کے زیر عنوان لکھا گیا ہے۔ یہی مضمون لسانیاتی اعتبار سے اہم ہے باقی ماندہ لسانیاتی حوالے سے اہمیت کے حامل نہیں۔ اس مضمون میں ایک طویل اور گنجلک قسم کی بحث ملتی ہے بعض کا ذکر میں پیچھے کر آیا ہوں۔ اُن کی کتاب میں یہ سقم بھی نظر آیا کہ موصوف دراوڑ قوم کو معبر سے نکال کر دکن میں بھی اکٹھے کرتے ہیں اور پھر سلطان محمد تغلق کے ایک وزیر کا مفرور ہونا اور دہلی کی طرف بھاگ جانا بل آخر ڈھونڈنے پر مل جانا اور سلطان کے سامنے پیشی کا ہونا اور اس طرح تمل الفاظ یا اثرات دہلی تک بھی صرف ایک شخص کے ذریعہ پہنچ جانا ایک بڑا سوالیہ نشان چھوڑتا ہے۔ بہر حال ڈاکٹر انصار اللہ نے ایک اہم کام کیا ہے اس سے اردو کے متعلق ایک نیا در وا ہوتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

حوالہ جات

---

i خاطر غزنوی، "اردو زبان کا ماخذ ہند کو"، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص، ۴

ii ایضاً، ص، ۶

iii ایضاً، ص، ۱۷، ۱۸

iv ایضاً، ص، ۸۱

v سلیم اختر، ڈاکٹر، "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ"، لاہور، سنگ میل، ۲۰۱۳ء، ص، ۷۹

vi محمد انصاراللہ، ڈاکٹر، "اردو پر تمل کے اثرات"، علی گڑھ، لیتھو کلر پرنٹرس، ۱۹۸۹ء، ص، ۸

vii سبط حسن، "پاکستان میں تہذیب کا ارتقا"، کراچی، مقصود پریس، ۲۰۱۷ء ص، ۶۹

viii محمد انصاراللہ، ڈاکٹر، "اردو پر تمل کے اثرات"، علی گڑھ، لیتھو کلر پرنٹرس، ۱۹۸۹، ص، ۹

ix ایضاً، ص، ۱۵

x محی الدین قادری زور، سید، "ہندوستانی لسانیات"، لاہور، عزیز پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص، ۷۴

xi محمد انصاراللہ، ڈاکٹر، "اردو پر تمل کے اثرات"، علی گڑھ لیتھو کلر پرنٹرس، ۱۹۸۹ء، ص، ۱۵

xii ایضاً، ص، ۱۶

xiii ایضاً، ص، ۱۸

xiv ایضاً، ص، ۱۹

xv ایضاً، ص، ۱۹

xvi ایضاً، ص، ۲۰

xvii خلیل احمد صدیقی، "زبان کیا ہے"؟ لاہور، بیکن بکس، ۲۰۱۶ء، ص، ۲۸۷

xviii ایضاً، ص، ۲۹۰

xix محمد انصاراللہ، ڈاکٹر، "اردو پر تمل کے اثرات"، علی گڑھ، لیتھو کلر پرنٹرس ۱۹۸۹ء، ص، ۲۳

xx ایضاً، ص، ۳۶

xxi ایضاً، ص، ۴۳